

Khusiyan Loot Ayien خوشیاں لوٹ آئیں

[وہ لڑکی چلتے ٹریفک کے درمیان پھنسی ہوئی سخت پریشان بلکہ حواس باختہ تھی۔ دو پہر کی تپتی دھوپ میں پینے سے نہا چکی تھی۔ وہ کئی رکشوں کو رکنے کا اشارہ کر چکی تھی۔ میرے دیور کو نئی نئی نوکری ملی تھی۔ دیگر مراعات کے ساتھ ایک جیب بھی ملی۔ اختر بھی بہت انستگ سے جیب چلا رہا تھا۔ جب میں لڑکی کے قریب پہنچا تو سوچا کہ کیوں نہ اس ریش میں پھنسی ہوئی کو لفت دے دوں، تبھی جیب روک کر کہا کہ... او آپ کو جہاں جانا ہے، پہنچا دوں۔ اختر کی پیشکش پر زیادہ گھبرا گئی۔ جی نہیں... شکریہ۔ اس نے کہا۔ گھبراؤ نہیں، میں ایک ذمہ دار آفیسر ہوں۔ میری گاڑی پر جو نمبر پلیٹ لگی ہے اس کو دیکھ کر اندازہ کر لو۔ اس وقت تم کو کوئی سواری نہیں ملے گی۔ لڑکی نے جیب کا جائزہ لیا اور کچھ تسلی ہو گئی تو وہ جھجکتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گئی۔ دوران سفر باتوں سے پتا چلا کہ وہ انٹر کی طالبہ ہے۔ روز سہیلی کے ساتھ اس کی گاڑی میں آتی جاتی تھی۔ آج سہیلی نہ آئی تو اکیلے ہی انا پڑا۔ اتفاق یہ کہ جس جگہ وہ رہتی تھی وہاں قریب ہی ہمارا گھر تھا۔ جب اختر نے اس کو، اس کے گھر کے قریب اتارا تو اپنا کارڈ بھی اسے تھمادیا۔ جیسا کہ اکثر نوجوانوں کی عادت ہوتی ہے۔ لڑکی نے مسکرا کر وہ کارڈ اپنے پرس میں رکھ لیا۔ گھر آکر اختر کو خیال آیا کہ اس نے تو لڑکی کو اپنا کارڈ دے دیا تھا لیکن اس نے نام تک نہیں بتایا تھا۔ ابھی وہ اسی سوچ میں تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ فون اختر نے اٹھایا۔ پوچھا کون؟ جواب ملا۔ وہی دو پہر والی۔ نام تو بتا دیجئے؟ اس نے اپنا نام سعدیہ بتایا۔ اس کے بعد وہ پندرہ منٹ تک میرے دیور سے باتیں کرتی رہی۔ اس کے بعد یہ معمول ہو گیا کہ سعدیہ، فرید کو شام کو روز فون کرتی اور اسے بھی اس لڑکی کے فون کا انتظار رہتا تھا۔ دن مہینوں میں اور مہینے سالوں میں بدلتے گئے۔ اس دوران یہ دونوں کافی ایک دوسرے کے قریب آچکے تھے اور میں دیکھ رہی تھی کہ معاملہ سنجیدہ ہوتا جا رہا ہے، تبھی میں نے لڑکی کا اتنا پتا معلوم کیا۔ معلوم ہوا کہ وہ اسی کالج میں پڑھتی ہے جہاں میں پروفیسر تھی۔ چونکہ وہ آرٹ سیکشن میں تھی اور میں سائنس سیکشن میں پڑھاتی تھی تبھی میری اس مڈ بھیڑ نہیں ہوتی تھی۔ میں نے فرید سے بات کی کہ یہ جو تمہارا فون پر لڑکی سے سلسلہ چل رہا ہے تو یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔ اس نے کہا۔ جی ہاں میرا سعدیہ سے شادی کا ارادہ ہے۔ اس کے لئے تم دونوں کو اپنے والدین کو راضی کرنا ہو گا جو ایک مشکل مرحلہ ہے۔ وہ تو بے فرید ہوا۔ مگر بھابی آپ جو ہیں، آپ مدد کر میں گی۔ پہلے لڑکی سے پوچھ لو۔ دیکھو وہ کیا کہتی ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ فرید اور سعدیہ کے فون پر گفتگو کے اوقات بھی تبدیل ہوتے رہے لیکن یہ دونوں مسلسل رابطہ میں تھے۔ ایک روز فرید کو میں نے کافی پریشان دیکھا۔ پوچھنے پر پتا چلا کہ سعدیہ نے اس کو فون پر بتایا تھا کہ اس کے ماموں کا لڑکا بیمار ہے، کسی طور ٹھیک نہیں ہو رہا۔ لگتا ہے اس کا ذہنی توازن خراب ہوتا جا رہا ہے۔ اس پر میں نے کہا کہ خدا اس کو شفا دے۔ تب پریشان ہو کر وہ بولی۔ اصل میں ڈاکٹر نے سعدیہ کے ماموں کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ بیٹے کی شادی کر دیں، وہ نارمل ہو جائے گا۔ اب سعدیہ کے ماموں اپنی بہن اور بہنوئی سے عمران کے لئے ان کی بیٹی کا رشتہ مانگ رہے ہیں... سعدیہ کا رشتہ! جی بھابی۔ تبھی اس نے پریشان ہو کر مجھے فون کیا بے فرید سے یہ بات سن کر میں بھی پریشان ہو گئی۔ اگر شادی کے بعد بھی عمران ٹھیک نہ ہوا تب تو سعدیہ کی زندگی خراب ہو جائے گی۔ اس دن کے بعد میرا دیور کافی پریشان رہنے لگا۔ تب میں نے فرید کو تسلی دی اور مدد کا وعدہ کیا۔ میں نے اپنے ساس سسر کو اعتماد میں لیا۔ اور رشتے کے لئے ان کو راضی کر لیا۔ سعدیہ کو اپنی شاگرد بنایا اور منالیا کہ وہ جلد از جلد اس کا رشتہ طلب کرے سعدیہ کے والدین کے پاس ان کے گھر جائیں۔ ایک ہفتہ کے اندر اندر اپنی ساس کو لے کر میں سعدیہ کے گھر گئی۔ اس کے گھر والے بہت خوش اخلاقی سے ملے۔ رشتہ کے بارے میں کہا کہ ہم صلاح مشورہ کر کے جواب دیں گے۔ یوں لگتا تھا جیسے انہوں نے ہم کو پسند کر لیا ہے۔ مجھے تو یقین ہو گیا کہ سعدیہ اب میرے دیور کی دلہن بنے والی ہے۔ وہ خوبصورت تھی، گفتگو سے اچھی لگی۔ اس کا تعلیمی ریکارڈ بھی اچھا تھا۔ میں نے اس کی کلاس ٹیچر سے سعدیہ کے بارے میں معلومات لیں تو انہوں نے بھی اس بچی کی تعریف کی تھی۔ سعدیہ کا باپ ایک آفیسر تھا۔ پڑھے لکھے لوگ تھے اور خوشحال گھرانہ تھا، صرف اس کی والدہ زیادہ پڑھی لکھی نہ تھیں، باقی تمام فیملی تعلیم یافتہ تھی۔ میں دوسرے تیسرے روز سعدیہ کی امی کو فون کرتی تھیں میرے دیور کے لئے یہ انتظار کے دن قیامت کے تھے کیونکہ لڑکی کے گھر اب بھی صلاح مشورے ہو رہے تھے۔ گھر والے سوچ رہے تھے کہ یہ رشتہ قبول کر یں یا نہیں کیونکہ ہم بالکل غیر لوگ تھے۔ ادھر لڑکی کامیاب ممانی زور لگا رہے تھے، منتیں کر رہے تھے۔ آخر ان لوگوں کی فتح ہوئی اور اپنے بیٹے کے لئے بھانجی کا رشتہ لینے میں کامیاب ہو گئے۔ جبکہ لڑکی اس رشتے پر قطعی راضی نہ تھی۔ بھلا ایسے لڑکے سے کون لڑکی خوشی سے شادی کرتی جو ذہنی طور پر نارمل نہ ہو۔ جب فرید نے سنا کہ سعدیہ کے والدین نے اس کا رشتہ عمران سے طے کر دیا ہے تو وہ گم صم ہو گیا۔ ادھر سعدیہ کی یہ حالت تھی کہ مردہ سی بستر پر پڑ گئی تھی جیسے کسی نے اس کی جان نکال لی ہو۔ اس کے والدین کو علم ہی نہ تھا کہ ان کی بیٹی فرید کو پسند کرتی ہے۔ یہ سارا کیا دھڑا تو اس کی کم عقل ماں کا تھا جس نے بھائی کی محبت میں اس کی التجاؤں پر بیٹی کو قربان کر دیا تھا۔ اگلے کئی دنوں تک فرید کا دماغ ماؤف رہا تھا جیسے کسی نے اس سے سوچنے سمجھنے کی طاقت چھین لی ہو۔ دو ہفتے بعد ایک روز فون کی گھنٹی بجی، اسی مخصوص ٹائم پر جب وہ فرید کو فون کرتی تھی اور وہ فون کے قریب ہی رہتا تھا۔ اس نے فون اٹھایا۔ سعدیہ بول رہی تھی۔ مجھے معاف کر دو میں مجبور ہوں۔ وہ وہی تھی۔ تم چاہو تو میں گھر سے بھاگ کر تمہارے ساتھ کورٹ میرج کرنے پر تیار ہوں۔ ایسا تم سوچو۔ فرید اسے سمجھا رہا تھا۔ تمہارے والد میں کا حق بھی تم پر واجب ہے۔ ان کی اطاعت کر واور مجھے بھول جاؤ۔ یہ مناسب نہیں کہ ہم ان کو بھول جائیں اور خوشیوں کا رستہ تلاش کر یں، ان کو رنجیدہ کر یں۔ بھاگ جانے سے بہتر ہے جدائی کا درد ہمارے دل میں رہ جائے، کم از کم تمہارے والدین دنیا والوں کے سامنے رسوا ہونے سے تو بچ رہیں گے۔ رشتہ طے ہونے کے ایک ماہ بعد سعدیہ کی شادی اس کے ماموں زاد سے ہو گئی۔ سعدیہ نکاح پر راضی نہ تھی مگر زبردستی اسے مجبور کیا گیا تھا۔ اپنی ماں کی خاطر اس کو یہ قربانی دینی پڑی اور ماں نے بھائی کے لئے بیٹی کی خوشیوں کا خون کر دیا۔ اس کو امید تھی کہ سعدیہ جیسی اچھی بیوی پاکر اس کا بھتیجا نارمل ہو جائے گا۔ ایسا نہ ہو سکا۔ عمران کو پہلے بھی دورہ پڑتا تھا، اب آئے دن دورے پڑنے لگے۔ الٹی سیدھی حرکتیں کرنے لگا۔ بیوی کو کبھی آبا کہہ کر بلاتا کبھی امی جان... غرض ایسی نرالی باتیں کرتا کہ افسوس ہوتا تھا اس کی جوانی پر۔ ادھر سعدیہ بیچاری اب جیتی تھی نہ مرنی تھی کہ ساری عمر اس کو ایک پاگل کے ساتھ گزارنی تھی۔ عمران کا علاج ہو رہا تھا مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ ہم نے تو

سکتا ہے۔ عمران جو یہ سوچ کر صبر کر لیا کہ سعدیہ ہمارے نصیب میں نہیں تھی لیکن قدرت کے لکھے کو کون ٹال پہلے تھوڑا سا کھسکا ہوا تھا، اب بالکل ہی آپے میں نہ رہا تھا۔ علاج کراتے عمران کو دو برس ہو گئے اور یہ عرصہ بیچاری سعدیہ نے انگاروں پر لوٹ کر گزارا۔ اس اثناء میں اس کے پاگل شوہر نے اسے اس قدر پریشان کیا کہ وہ خود نیم پاگل لگنے لگی۔ ایک روز میں اور فرید اپنے ایک عزیز کی عیادت کو اسپتال گئے تو وہاں ہماری ملاقات سعدیہ اور اس کی والدہ سے ہو گئی۔ ہم تو سعدیہ کو دیکھ کر پہچان ہی نہ سکے کہ جس کو دیکھ کر گلاب کا پھول بھی شرماتا تھا، آج وہ دائمی مریضہ لگ رہی تھی۔ اس کی والدہ نے ہم کو آواز دے کر بلایا، آج وہ بہت پشیمان تھی کہ ناحق بھائی کی چکنی چپڑی باتوں میں آکر ایسا غلط فیصلہ کیا اور بیٹی کی زندگی برباد کر کے رکھ دی۔ لیکن اب میں یا فرید اس کو کیا کہہ سکتے تھے سوائے اس کے کہ انٹی آپ کا قصور نہیں جو قسمت میں تھا وہ ہو گیا۔ بالآخر وہ حرف مدعا زبان پر لے آئیں۔ کہا کہ اگر آپ چاہیں تو اب بھی میں سعدیہ کا رشتہ آپ لوگوں کو دینے کو تیار ہوں کیونکہ ہم اپنی بچی کو سسرال سے لے آئے ہیں اور طلاق کرارہے ہیں، اب مزید یہ پاگل کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ یہ سن کر فرید اور بھی افسردہ ہو گیا۔ اس نے بے بسی سے میری طرف دیکھا تو میں نے انٹی سے کہا۔ ابھی بھی دیر نہیں ہوئی ہم جلد آپ سے رابطہ کریں گے۔ فرید سعدیہ سے ٹوٹ کر محبت کرتا تھا اور ابھی تک شادی نہ کی تھی۔ اس لیے میرے ساس سسر بھی ماں گئے اور ہم سعدیہ کو عدت گزارنے کے بعد اپنے گھر دلہن بنا کر لے آئے۔ فرید اور سعدیہ میرے آج تک مشکور ہیں کہ میں نے ان کا ساتھ دیا بس میں تو یہ ہی چاہتی تھی کہ سعدیہ کی زندگی میں وہ خوشیاں لوٹ آئیں جس کی وہ حقدار ہے اس کی ماں سے اس پر ظلم کیا لیکن آج جب میں فرید کو سعدیہ کے ساتھ خوش دیکھتی ہوں کہ تھوڑا سا دل بڑا کرنے سے خوشیاں آپ کے دروازے پر بھی دستک دی سکتی ہیں۔“]